نجات کی حقیقت

(ایک عیسائی کے استفسار پر پُر معارف تقریر)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نجات کی حقیقت

ازافاضات سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی

مؤرخہ ۲۵- مارچ ۱۹۱۶ء کو ایک عیسائی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہؤا ہوں کہ آپ مجھے اصلی اور حقیقی نجات دہندہ کا پتہ بتائیں آج تک میں جسکو اپنے لئے نجات دہندہ اور راہنما سمجھتا رہا ہوں۔ معلوم ہؤا ہے کہ وہ بجائے نجات دلانے کے مجھے کسی اور طرف لے جارہا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یسوع مسیح جس کی نسبت میرا اعتقاد ہے کہ اس نے ہمارے لئے دکھ اٹھائے۔ مصیبتیں سہیں۔ حتیٰ کہ مارا گیا کہ ہم نجات پائیں اس سے اچھا مجھے کوئی نجات دہندہ بتایا جائے۔ حضور اس وقت ڈاک دیکھنے کے لئے تشریف لائے تھے اسی وقت یہ تقرر فرمائی۔

(ایڈیٹر)

عیسائی فلسفہ نجات

حضور نے فرمایا۔ نجات کے متعلق مسیحی مذہب اور اسلام میں جو اختلاف ہے۔ میں پہلے اس کو بتاتا ہوں۔ مسیحی مذہب میں نجات کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ آدم نے گناہ کیا اس لئے وہ ورثہ کے طور پر سب انسانوں میں آگیا۔ جس طرح باپ کی دولت ورثہ میں سب بیٹوں کو آتی ہے اسی طرح آدم جو سب کا باپ ہے۔ اس کا گناہ اس کی اولاد میں یعنی انسان میں آگیا۔ اس سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ اور جب تک

اس سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت تک اس سے کئی گناہ سرزد ہو جائیں گے۔ کیونکہ خدا کی شریعت اس لئے آتی ہے کہ سب پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ اگر کسی نے ایک حکم بھی توڑ دیا تو ضرور ہے کہ وہ سزا پائے۔ اور اگر خدا کسی ایسے گنہگار کو سزا نہ دے تو ظالم ٹھہرتا ہے لیکن خدا کا رحم چاہتا ہے کہ بخشدے کیونکہ وہ ماں باپ سے زیادہ محبت اور پیار کرنے والا ہے۔ اس لئے اس نے یہ تجویز کی کہ ایک بے گناہ کو جو اپنے اندر الوہیت کی شان بھی رکھتا تھا پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ اور جس طرح ایک قرضدار کا قرضہ اگر کوئی اور ادا کردے تو ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے گناہوں کی سزا یسوع مسیح نے اٹھالی۔ اور ہم بخشے گئے۔ اس طرح خدا کا عدل بھی قائم رہا۔ اور محبت بھی پوری ہو گئی یہ مسیحیوں کا اعتقاد ہے۔

اسلامی فلسفہ نجات

اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے کہ ہر ایک انسان کی نجات اپنے اعمال کے ذریعہ ہوگی۔ جب تک کوئی انسان خود نیکی اور تقویٰ نہ اختیار کرے گا۔ گناہوں اور بدیوں اور عیبوں سے نہ بچے گا۔ نجات کا مستحق نہیں ہو سکے گا۔

اسلام کا مطمح نظر عیسائیت سے بلند تر ہے

اس کے علاوہ عیسائیت اور اسلام کے دعویٰ ہی میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ اسلام صرف نجات کی طرف نہیں بلاتا۔ یہ مسیحی اور دیگر مذاہب مثلاً بدھ وغیرہ کا آئڈیا ہے۔ اور اسلام کا مطمح نظر اس سے بہت ہی بلند ہے۔ جس کے مقابلہ میں نجات کچھ چیز ہی نہیں۔ نجات کے معنی تو دکھ اور تکالیف سے بچ جانے کے ہوتے ہیں لیکن انسان کی فطرت میں نہ صرف دکھ سے بچنے کی خواہش ہے بلکہ آرام اور سکھ حاصل کرنے کی بھی تمنا ہے۔ وہ انسان جو کسی ایسی زمین پر بیٹھا ہو جہاں کانٹے نہ ہوں وہ دکھ سے بچا ہوا ہو گا۔ مگر وہ انسان جو گدیلے والی کرسی پر بیٹھا ہو گا وہ نہ صرف دکھ سے بچا ہو گا۔ بلکہ آرام بھی پا رہا ہو گا۔ اسی طرح ایک انسان کے پیٹ میں درد نہیں۔ آنکھیں نہیں دکھتیں تو وہ سکھ میں ہے۔ مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی صحت ایسی نہ ہو کہ اسے فرحت اور خوشی حاصل ہوتی ہو۔ تو دکھ سے بچنا علیحدہ بات ہے اور راحت اور آرام محسوس کرنا علیحدہ۔ اسلام یہی پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب انسانی فطرت میں آرام حاصل کرنے کی بھی خواہش ہے۔ اور یہ دکھ سے بچ جانے کے علاوہ بات ہے تو کیوں نہ یہی انسان کو حاصل ہو۔ دیکھئے ایک بے علم انسان ہے۔ اس کو اس بات سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی کہ میں فلاں کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن جو شخص علم حاصل کرلے گا۔ اس کے لئے یہ

نہیں ہو گا- کہ اس کا کوئی دکھ یا تکلیف دور ہو جائے گی- بلکہ اسے سکھ مل جائے گا- پس پڑھنا اس لئے اچھا نہیں کہ انسان دکھ سے بچ جاتا ہے بلکہ اس لئے اچھا ہے کہ اس کی وجہ سے آرام حاصل ہوتا ہے- پھر دیکھئے دنیا میں لوگ دولت جمع کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں- لیکن اگر کسی کو پیٹ بھر کر کھانے کو اور حسب ضرورت کپڑا پہننے کو مل جائے تو اس طرف سے اس کے لئے کوئی دکھ باقی نہیں رہتا- لیکن کوئی اس بات پر قناعت نہیں کرتا- کیوں؟ اس لئے کہ ہر ایک سمجھتا ہے زیادہ مال سے زیادہ آرام حاصل ہو گا- تو انسان کی فطرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پیدا کرنے والے نے (ابھی اسبات پر بحث نہیں کی کہ کونسا مذہب سچا ہے- اس لئے کسی مذہب کا پیدا کرنے والا ہو) یہ بھی خواہش رکھ دی ہے کہ انسان آرام حاصل کرے-

وہی قول حق ہے جس کی تائید میں خدا کا فعل ہے

چونکہ یہ بات ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہے- اس لئے معلوم ہؤا ہے کہ یہ خدا کا فعل ہے اس کے ساتھ خدا کے قول کو پرکھ لو- خدا نے آنکھیں پیدا کی ہیں کہ انسان دیکھا کرے- لیکن اگر کوئی مذہب یہ کہے کہ آنکھوں سے نہیں بلکہ کانوں سے دیکھا کرو- تو ہم فوراً کہہ دیں گے کہ یہ غلط بات ہے- کیونکہ خدا نے دیکھنے کی طاقت آنکھوں میں رکھی ہے نہ کہ کانوں میں- تو مذہب کی ہر ایک بات کے پرکھنے کے لئے خدا تعالیٰ کے فعل کو دیکھنا چاہئے- جس قول (یعنی مذہب کے حکم) کی فعل یعنی قانون قدرت تائید کرے- اس کو قبول کر لینا چاہئے اور جس کی تردید کرے- اسے غلط قرار دیکر چھوڑ دینا چاہئے-

فطرت حقہ کے مطابق کونسا مذہب ہے؟

اب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ نہ صرف دکھ سے بچنا چاہتا ہے- بلکہ سکھ بھی حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو مذہب ان دونوں باتوں کے متعلق جو احکام بیان کرتا ہے وہ انسان کی فطرت کے مطابق ہے- اور جو صرف دکھ سے بچنے کے متعلق بتاتا ہے- مگر آرام حاصل کرنے کی نسبت بالکل خاموش ہے- وہ فطرت کے مطابق نہیں ہو سکتا- کیونکہ اس مذہب کا بیان کرنے والا فطرت انسان سے واقف نہیں ہے- خدا نے جو طاقت انسان میں رکھی ہے- اس کے لئے سامان بھی ضرور پیدا کئے ہیں- مثلاً معدہ میں ہضم کرنے کی طاقت ہے تو خوراک بھی پیدا کی گئی ہے- دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں تو روشنی بھی بنائی گئی ہے- سننے کے لئے کان ہیں تو ہوا بھی رکھی گئی ہے- اسی طرح روح میں بھی طاقتیں ہیں

اور ان کے لئے بھی سامان ہیں۔

اسلام نہ صرف نجات دلاتا ہے بلکہ مفلح بناتا ہے

روح میں یہ کشش ہے کہ وہ نہ صرف دکھ سے بچے بلکہ آرام بھی حاصل کرے۔ لیکن جو مذہب اسے صرف دکھ سے بچاتا ہے وہ اس کے آدھے حصہ کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے دو مطالبے ہیں ایک دکھ سے بچنا۔ اور دوسرا آرام حاصل کرنا۔ عیسائیت صرف نجات یعنی دکھ سے بچانے کا وعدہ کرتی ہے۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص دشمن کے مقابلہ کے لئے جائے تو اسے کہا جائے کہ کوئی فکر نہ کرو تم اس کے ضرر سے بچ جاؤ گے لیکن اصل میں یہ اس کے لئے اتنی خوشی کی بات نہیں ہوگی جتنی یہ ہو سکتی ہے کہ تم نہ صرف دشمن کے ضرر سے بچ جاؤ گے بلکہ اس پر کامیابی بھی حاصل کرلو گے۔ کیونکہ صرف دکھ سے بچنا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو انسان کے لئے کامل خوشی کا موجب ہو سکے۔ اسلام نے یہی آخری درجہ یعنی دکھوں اور تکلیفوں سے بچ کر کامیاب اور بامراد ہونے کا رکھا ہے۔ اور اس کا نام فلاح قرار دیا ہے یعنی مظفرو منصور اور غالب ہو کر اپنی راحت و آرام کے سامان مہیا کرلینا۔ پس اسلام نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ تم دکھوں سے بچو بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ تم اس طرح آرام حاصل کرسکتے ہو۔ یہ اسلام اور مسیحیت میں پہلا اور سب سے بڑا فرق ہے۔ عیسائیت کے لیکچرار اپنے سارے زور اور قوت سے لوگوں کو نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم ابتداء میں ہی فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[۱] اسلام کے احکام پر چلنے والے ہدایت اور ہر قسم کے روحانی مدارج کے حاصل کرنے والے ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ وہی اپنے مقصد اور مدعا میں کامیاب اور بامراد ہو جائیں گے۔ یہ درجہ دکھ درد سے مخلصی حاصل کرنے سے بہت اعلیٰ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسیحی مذہب میں بھی آرام حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے مگر اس پر زور نہیں دیا جاتا۔ اسکو ایک ضمنی بات سمجھا جاتا ہے۔ اور اصل مقصد نجات کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے مرتب کرنے والوں کی نظر وسیع نہ تھی۔ یا بعد میں لوگوں نے اس میں تغیر و تبدل کردیا۔ یہ تو ایک بڑا فرق ہوا۔

عیسائیت اور اسلام میں پہلا فرق

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ عیسائیت کی نجات کے مقابلہ میں اسلام میں نجات بھی ہے مگر یہ فلاح سے ادنیٰ

[۱] البقرہ : ۶

درجہ رکھتی ہے- جس طرح ایک کالج میں ایم- اے' بی- اے' ایف- اے اور انٹرنس کے درجے ہوتے ہیں- یعنی کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ اسی طرح انسانی مدارج کے اسلام میں بھی درجے ہیں- اور نجات بھی ایک درجہ ہے مگر ادنیٰ اس لئے گو اسلام اور عیسائیت اس بات میں تو متفق ہیں کہ نجات ہوتی ہے- مگر اسلام اس کو ادنیٰ درجہ قرار دیتا ہے- اور عیسائیت سب سے اعلیٰ درجہ-

دوسرا مابہ الامتیاز پھر اسلام اور عیسائیت میں بھی فرق ہے کہ مسیحیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ نجات انسان کے اعمال سے نہیں ہوتی- بلکہ صرف خدا کے فضل سے ہوسکتی ہے- کیونکہ کوئی انسان تمام اعمال کو بجا نہیں لاسکا- اسی لئے خدا نے اپنے بیٹے کو دنیا کے گناہوں کے بدلے قتل کیا- تاکہ وہ نجات پائیں- اسلام اس بات میں تو متفق ہے کہ نجات خدا کے فضل سے ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ہر ایک چیز کا ایک باعث ہوتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی چیز ہو اور اس کا کوئی باعث نہ ہو- گو بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کا باعث معلوم نہیں ہوسکتا- مگر ہوتا ضرور ہے اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس باعث کا کوئی اور باعث ہو- مثلاً ایک شخص ایک مزدور کو چار آنے یومیہ پر نوکر رکھتا ہے- وہ مزدور سارے دن میں جس قدر بھی محنت اور مشقت سے کام کرے- اسی قدر وہ اپنے فرض کو اچھی طرح ادا کرنے والا ہوگا- اور اگر سستی سے کام لیگا تو بددیانتی کرے گا مگر بہت اچھی طرح کام کرنے سے اس کا یہ حق نہیں ہوگا کہ زیادہ مزدوری مانگے- ہاں اگر وہ ایک دن کی بجائے ڈیڑھ دن لگائے تو اس کا حق ہوگا کہ چار آنے کی بجائے چھ آنے طلب کرے- لیکن اگر اسپر خوش ہوکر کام کرانے والا ایک دن کی محنت کرنے پر چار آنے کی بجائے آٹھ آنے دیدے- تو یہ زائد چار آنے اسکی مزدوری نہیں ہوگی- بلکہ دینے والے کا اس پر رحم اور فضل ہوگا- لیکن یہ فضل کیوں اس پر ہُوا؟ کسی اور پر کیوں نہ ہوگیا- اس لئے کہ اس نے کچھ محنت کی تھی- اس محنت نے فضل کو کھینچا ہے- گو یہ فضل اس محنت کا نتیجہ نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ تو صرف چار آنے ہے- لیکن اس نے اس فضل کو حاصل کرایا ہے اسی طرح اسلام نجات کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ہوگی تو خدا کے فضل سے- مگر خدا کے فضل کو کھینچنے والے اس کے اعمال ہی ہوں گے- دنیا کے تمام کاروبار میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ گو ایک بات دوسرے کے نتیجہ میں نہیں ہوتی- مگر اس کی وجہ سے ہوتی ہے- مثلاً گورنمنٹ فوج کے آدمیوں کو جو تنخواہ دیتی ہے وہ انہیں اس زیادہ سے زیادہ کوشش

کے معاوضہ میں دیتی ہے جو وہ لڑائی میں کرسکتے ہیں۔ مگر پھر بھی جو لڑائی میں خاص جرأت اور دلیری دکھاتا ہے۔ اس کو کئی قسم کے انعام دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جب ملازم رکھا جاتا ہے۔ تو اس وقت یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے لئے جان دینی پڑی تو بھی دریغ نہ کروں گا۔ آپ جانتے ہیں پھر گورنمنٹ کیوں انعام دیتی ہے۔ اس لئے کہ وہ کسی کی خدمت سے خوش ہو جاتی ہے پس گورنمنٹ کا انعام سپاہی کی خدمت کا معاوضہ نہیں ہوتا لیکن ہوتا خدمت ہی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح خداتعالیٰ کا نجات دینا ہے۔ انسان اعمال کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان میں کمزوریاں ہیں۔ لیکن جب وہ اپنی طرف سے پورے زور اور کوشش سے اعمال کرتا ہے۔ تو اس کے اعمال خداتعالیٰ کے رحم اور فضل کو کھینچ لیتے ہیں۔ اور وہ نجات پاجاتا ہے۔ دنیا کے کاروبار میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص خاص ہمت اور کوشش سے کام کرتا ہے تو اپنے کام کرانے والے انسان کے رحم کو حاصل کرلیتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خداتعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرے اور اس کے رحم کو نہ پاسکے۔

نجات کے لئے اعمال ضروری ہیں

پس ہمارے نزدیک اعمال ضروری ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ فضل حاصل ہوتا ہے۔ اور خدا کے فضل سے نجات ہوتی ہے۔ اور جب تک اعمال نہ ہوں نجات ہو نہیں سکتی۔ دیکھو ایک انسان کسی پر کیوں رحم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو دکھ اور مصیبت میں دیکھتا ہے یعنی اس شخص کا دکھ اس کے رحم کو کھینچتا ہے تو ہر بات کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہوتا ہے خداتعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے کا پہلا ذریعہ اعمال ہیں اسی لئے اسلام نے اعمال پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن نجات خدا کے فضل پر ہی رکھی ہے۔

نجات کے لئے اعمال پر بھروسہ ٹھیک نہیں!

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کی نجات تو اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں میری نجات بھی خدا کے فضل سے ہوگی۔[۱] آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی شخص درجہ نہیں رکھتا۔ جب آپ فرماتے ہیں کہ میری نجات خدا کے فضل سے ہوگی۔ تو اور کون ہے جو اپنے اعمال پر بھروسہ رکھ سکے۔ ہاں فضل کے لئے اعمال کا ہونا ضروری ہے۔ اور اسی تھیوری کو اسلام پیش کرتا ہے۔ اس سے آپ عیسائیت کی تھیوری کا مقابلہ کرکے دیکھ لیں کہ کون غلط اور کون درست ہے۔

[۱] مسلم شرح النووی۔ صفات المنافقین و احکامھم۔ باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ بل برحمۃ اللہ

مسیحی مذہب والوں کو اعمال کے متعلق کیا دھوکا لگا

مسیحی مذہب کا دعویٰ ہے کہ انسان کو اس لئے نجات حاصل نہیں ہو سکتی کہ انسان گنہگار ہے اور شریعت کے احکام کو پورا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شریعت کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم کی خلاف ورزی کرنا بھی گناہ ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جو تمام احکام کو پورا کر سکے۔ پس جبکہ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ تو ضرور ہے کہ جو گناہ اس سے سرزد ہوں۔ ان کی اسے سزا ملے۔ جس طرح گورنمنٹ کے اگر کسی حکم کی خلاف ورزی کی جائے تو وہ سزا دیتی ہے اسی طرح جو کوئی خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے گا وہ ضرور سزا پائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شریعت پر چل کر کوئی نجات نہیں پا سکتا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب والوں کو یہ دھوکا لگا ہے۔ اور انہوں نے تمام شریعت پر عمل کرنا انسان کی نجات کے لئے اصل قرار دیکر یہ سمجھ لیا ہے کہ چونکہ کوئی انسان شریعت کی ساری شرائط کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس لئے خدا اسے نجات بھی نہیں دیتا لیکن اسلام یہ نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو کسی کے عبادت کرنے یا نہ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات اس سے مستغنی ہے۔ کسی کی عبادت کرنے یا شریعت پر چلنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور کسی کی عبادت نہ کرنے یا شریعت کے احکام پر عمل نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ساری دنیا اگر دن رات اس کی تقدیس اور تحمید میں لگی رہے تو اس کا کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر ساری دنیا گندی اور بدکار ہو جائے تو اس کی شان میں کچھ کمی نہیں آسکتی۔ پس خدائے تعالیٰ نے شریعت اس لئے نہیں بھیجی کہ اس سے اس کا فائدہ ہے بلکہ اس لئے کہ انسان اس کے محتاج ہیں۔ اگر کوئی اس پر عمل کرے گا تو وہ اعمال اس کو فائدہ دیں گے۔ تو خدا تعالیٰ کا شریعت کو بھیجنے سے صرف یہی مقصد نہیں کہ لوگ اس کے ہر ایک حکم پر عمل کریں بلکہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے یعنی اعمال کے ذریعہ وہ استعداد پیدا کرنی مقصود ہے جس سے انسان کی روح ایسی پاک ہو جائے کہ اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو سکے۔

قوانین سلطنت و شریعت میں مشابہت قائم کرنا غلطی ہے۔

اس لئے ہم خدا تعالیٰ کی شریعت کو گورنمنٹ کے قوانین سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ گورنمنٹ کا مدعا صرف قوانین پر عمل کرانا ہوتا ہے تاکہ امن قائم رہے۔ اگر لوگ چوری کریں، ڈاکے ڈالیں، رہزنی کریں تو

گورنمنٹ ہی نہیں رہ سکتی۔ مگر ساری دنیا کے شریعت چھوڑ دینے اور اس کے بالکل برعکس کرنے سے خدا خدا ہی رہتا ہے۔ اس کی شان اور پاکیزگی میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آسکتا۔ اس لئے قوانین سلطنت اور شریعت میں مشابہت ہی غلط ہے۔ گورنمنٹ اس بات کی محتاج ہے کہ لوگ اس کے قوانین پر چلیں۔ لیکن خدا محتاج نہیں ہے کہ لوگ شریعت پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ نے تو اپنے رحم اور فضل سے شریعت کے احکام اس لئے نازل فرمائے ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو خدا تعالیٰ سے تمہارا تعلق ہو جائے گا۔

شریعت کی مشابہت یونیورسٹی کے کورس سے صحیح ہے۔

شریعت کی مشابہت یونیورسٹی کے کورس سے دی جا سکتی ہے۔ یونیورسٹی میں مثلاً کسی مصنف کی تاریخی کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اس کے پڑھانے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس خاص شخص کی لکھی ہوئی تاریخ پڑھی جاوے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے میں ایک حد تک تاریخ دانی کی قابلیت پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ کتابیں بدل دی جاتی ہیں۔ اور جو مفید اور مناسب سمجھی جاتی ہیں انہیں پڑھایا جاتا ہے پھر یونیورسٹی امتحان کے لئے کچھ سوال مقرر کرتی ہے لیکن کوئی طالب علم ایسا نہیں ہوتا جو تمام سوالوں کے تمام و کمال جواب دے سکے۔ تاہم ہر سال ہزاروں طلباء پاس ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ غلطیاں کی ہوتی ہیں۔ ان کے پاس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی کی غرض ان سے سارے سوال پورے کرانا نہیں بلکہ ایک حد تک استعداد پیدا کرنا ہے۔ جب کسی میں اس حد تک استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو وہ پاس کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت ہے۔ خدا تعالیٰ نے کچھ احکام بیان فرمائے ہیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ انسان میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ چنانچہ نماز پڑھنے کا حکم اس لئے نہیں کہ اٹھائے بٹھائے بلکہ اس لئے ہے کہ پاکیزگی پیدا ہو۔ روزہ رکھنے کا اس لئے ارشاد نہیں کہ بھوکا رکھا جائے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ تقویٰ حاصل ہو۔ اسی طرح تمام دوسرے احکام کے متعلق ہے۔ جب کوئی انسان ان پر اس وقت تک عمل کر لیتا ہے کہ اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو وہ پاس ہو جاتا ہے جس طرح یونیورسٹی میں ۴۰ یا ۶۰ یا ۸۰ فیصدی نمبر پاس ہونے کے لئے رکھے ہوتے ہیں اور اتنے نمبر حاصل کرنے والا پاس ہو جاتا ہے اسی طرح شریعت کے احکام کے متعلق بھی استعداد دیکھی جاتی ہے۔

عیسائی صاحبان یہ تو کہتے ہیں کہ کیا شریعت کے جس حکم پر انسان عمل نہیں کرتا وہ خدا کی طرف سے نہ تھا۔ لیکن یہ نہیں کہتے کہ کیا امتحان کے جس سوال کو طالب علم حل نہیں کرتا۔ وہ یونیورسٹی کی طرف سے نہیں تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح یونیورسٹی باوجود بعض سوالات کے حل نہ کئے جانے کے قابلیت کی ایک حد کو دیکھ کر پاس کر دیتی ہے۔ اسی طرح شریعت کے سب احکام کو پورا نہ کرنے کی حالت میں بھی جبکہ انسان ایک خاص حد تک استعداد پیدا کر لے نجات پا سکتا ہے۔ ہاں جسطرح زیادہ نمبر حاصل کرنے والا اعلیٰ درجہ پر پاس ہوتا ہے اسی طرح شریعت کے احکام کے ذریعہ زیادہ استعداد پیدا کرنے والا اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے۔

اگر نجات میں شریعت کا تعلق نہیں تو پھر عیسائی مدارج کیوں مانتے ہیں۔

اور خدائے تعالیٰ کے حضور اسی لحاظ سے مدارج ہیں۔ اور مدارج کو مسیحی صاحبان بھی مانتے ہیں چنانچہ انبیاء کے درجوں میں فرق کرتے ہیں۔ مسیحی صاحبان جو درجہ حضرت ابراہیمؑ کو دیتے ہیں وہ کسی اور نبی کو نہیں دیتے۔ لیکن نجات کو اگر اعمال کے لحاظ سے نہ مانا جائے تو پھر مدارج میں بھی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ اسلام نے اعمال کے مطابق ہی مدارج قرار دیئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ (الاعراف: ۹-۱۰) یعنی قیامت کے دن ہر ایک کے اعمال کا وزن دیکھا جائے گا۔ اگر کسی نے اس حد تک عمل کئے ہوں گے۔ کہ اس میں خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہو گی۔ تو اس کی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ جس طرح یونیورسٹی بھی باوجود تمام سوالات کے حل نہ کرنے کے پاس کر دیتی ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر شریعت کے تمام احکام پر باوجودیکہ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی جائے۔ عمل نہ ہو سکے۔ تو انسان نجات پا سکتا ہے۔

ہم اس بات کے قائل نہیں کہ انسان تمام شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔

لیکن ہم تو اس بات کو قبول ہی نہیں کرتے کہ انسان تمام احکام پر عمل نہیں کر سکتا۔ عیسائی صاحبان تعزیرات ہند پر عمل کرتے ہیں یا نہیں ضرور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا آزاد پھرنا اس بات کا ثبوت ہے اگر وہ اس پر عمل نہ کرتے تو سزا پاتے۔ لیکن قرآن کریم تو اس سے بہت چھوٹا ہے۔ پھر اس پر کیوں عمل نہیں

ہو سکتا۔ پس یہ کہنا کہ شریعت کے تمام احکام پر عمل نہیں ہو سکتا، غلط ہے اور عیسائی صاحبان اس کے متعلق اس طرح دھوکا دیتے ہیں کہ کسی سے پوچھتے ہیں۔ کیا آپ نیک ہیں وہ آگے کسر نفسی اور انکسار سے کہتا ہے۔ جی نہیں میں تو گنہگار ہوں عیسائی کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو یہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں گنہگار ہوں اس سے ثابت ہوُا کہ کوئی انسان گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ جب حضرت مسیح کو بھی کہا گیا تھا کہ "اے نیک استاد! میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا باب ۱۸۔ آیت ۱۸، ۱۹)[۵] اور بات بھی یہی ٹھیک ہے۔ کیونکہ اصل نیک جس میں کوئی کسی قسم کی بدی اور نقص نہ ہو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہر ایک انسان میں کمزوریاں ہیں مثلاً عالم الغیب نہ ہونا وغیرہ۔ اس لئے اصل نیکی کا اطلاق پورے طور سے خدا تعالیٰ پر ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ دنیا میں کوئی انسان نہ نیک ہوُا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ انسان جو نیک ہو وہ انکسار کی وجہ سے کہتا ہے کہ مَیں نیک نہیں ہوں کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ غرور اور تکبر جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہے اس میں میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اور اس کا یہ اقرار بدی سے بچنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ بدی کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے۔ ورنہ ہزار ہا انبیاءؑ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم ہر ایک قسم کی بدی اور برائی سے پاک ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر کرتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دیا ہوتا ہے۔ دیا بھی روشن ہوتا ہے لیکن سورج کے مقابلہ پر اس کی روشنی کچھ چیز نہیں ہے۔ یہی بات انسانوں میں ہے ورنہ بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں جو شریعت کے احکام پر پورے پورے عمل کرنے والے تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان شریعت کے احکام پر عمل کر سکتا ہے۔ واقعہ میں شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو۔ کیا زنا ایسا ہے جس سے انسان بچ نہیں سکتا یا چوری یا ڈاکہ، جھوٹ، قتل، چغلی وغیرہ ایسے ہیں جن سے بچنا ناممکن ہے۔ ہرگز نہیں اگر انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ تو ضرور بچ سکتا ہے عیسائی صاحبان کے پاس صرف انسان کا انکسار اور کسر نفسی اسبات کا ثبوت ہے کہ کوئی انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا لیکن یہ ایک غلط دلیل ہے۔ دیکھو اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ تم گناہوں سے بالکل پاک ہو تو فروتنی کے لحاظ سے کہے گا کہ میں ایک گنہگار بندہ ہوں لیکن اگر اسے یہ کہا جائے کہ کیا تم تعزیرات ہند پر پورا پورا

۵ مطبوعہ ۱۹۲۲ء

عمل کرتے ہو تو وہ یہی جواب دے گا کہ ہاں میں ضرور کرتا ہوں اور کبھی یہ نہیں کہے گا کہ میں اس کے خلاف کرتا ہوں- کیوں؟ اس لئے کہ یہ کہنے سے وہ شرمندہ نہیں ہوتا وہ جانتا ہے کہ تعزیرات انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں اور انسان کوئی ایسی ہستیاں نہیں ہیں جن کے مقابلہ میں یہ کہنا ناروا ہو لیکن شریعت کے احکام کے متعلق جواب دیتے ہوئے اس کے پیش نظر خدا تعالیٰ ہوتا ہے- اس لئے وہ انکسار اور عاجزی سے جواب دیتا ہے-

یہ بات غلط ہے کہ انسانوں کو گناہ ورثہ میں ملا

باقی رہا یہ کہ گناہ انسان کو ورثہ میں ملا ہے- اس لئے وہ گناہوں سے پاک ہو ہی نہیں سکتا- یہ بھی غلط ہے اگر انسانوں کو ورثہ میں گناہ ملا تھا تو حضرت آدم میں کہاں سے آگیا تھا اگر اس میں اپنے طور پر آگیا تھا تو اب بھی یہ کیوں نہ مانیں کہ باقی انسانوں میں بھی اپنے طور پر آتا ہے-

وراثتاً گناہ پر سزا دینا ظلم ہے

پھر اگر انسان میں گناہ ورثہ کے طور پر آیا تھا- تو اس کا ذمہ دار انسان نہیں قرار پا سکتا- مثلاً ایک شخص حرام زادہ ہے کیا وہ اس لئے دوزخ میں ڈالا جا سکتا ہے کہ اس کی ماں نے زنا کیا تھا اور وہ پیدا ہؤا تھا ہرگز نہیں کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے- قصور اس کی ماں کا ہے- پس جو چیز ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں ملے- اس کی وجہ سے کوئی انسان مستوجب سزا نہیں ہو سکتا اور جب کوئی اس طرح مستوجب سزا نہیں ہو سکتا تو تمام انسان نجات یافتہ ہوئے کیونکہ ان کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے- گناہ تو انہیں ورثہ میں ملا ہے اور تمام انسانوں کی نجات اس صورت میں ہو نہیں سکتی جبکہ یہ مانا جائے کہ گناہ ورثہ میں نہیں آیا بلکہ ہر ایک انسان خود کرتا ہے- پس عیسائیت کا یہ مسئلہ سرے سے ہی باطل ہے-

مشاہدہ سے یہ بات بھی غلط ثابت ہو رہی ہے کہ کفارہ سے موروثی گناہ بخشا جاتا ہے-

پھر عیسائی صاحبان کے سامنے جب ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان خود گناہ کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ایسے گناہ جو انسان خود کرتا ہے ان سے تو بچ سکتا ہے- لیکن ورثہ کا گناہ سوائے کفارہ پر ایمان لانے کے نہیں بخشا جا سکتا- مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات بھی ضرور غلط ہے- جس گناہ کو ورثہ میں آنا قرار دیا جاتا ہے- وہ حضرت آدم نے کیا تھا جس کی یہ سزا تجویز ہوئی تھی کہ-

"خداوند خدا نے سانپ سے کہا۔ اس واسطے کہ تو نے یہ کیا ہے۔ تو سب مویشیوں اور میدان کے سب جانوروں سے ملعون ہؤا تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا۔ اور عمر بھر خاک کھائے گا اور میں تیرے اور عورت کے اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گی اور تو اس کی ایڑی کو کاٹے گا۔ اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہو گا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور آدم سے کہا اس واسطے کہ تو نے اپنی جورو کی بات سنی اور اس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس سے کھائے گا اور وہ تیرے لئے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگائے گی اور تو کھیت کی نبات کھائے گا تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا"۔ (پیدائش باب ۳ آیت ۱۴ تا ۱۹ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر یہ سزائیں کفارہ پر ایمان لانے سے مٹ جاتی ہیں۔ تب تو کفارہ ٹھیک ہے ورنہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ ورثہ کا گناہ کفارہ کے ماننے سے معاف ہو جاتا ہے کوئی بھی نہیں ہے۔ اس گناہ کی وجہ سے سانپ کو یہ سزا دی گئی تھی کہ "تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک کھائے گا اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالوں گا وہ تیرے سر کو کچلے گی اور تو اس کی ایڑی کو کاٹے گا"۔

چونکہ سانپ کے لئے عیسائی صاحبان کفارہ کا ماننا کسی طرح نہیں بتا سکتے۔ اس لئے اس کی سزا تو کبھی دور ہو ہی نہیں سکتی۔ باقی رہا مرد اور عورت۔ عورت کو یہ سزا ملی تھی کہ "میں تیرے حمل میں درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہو گا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا"۔ اگر کفارہ پر ایمان لاتے ہی عورت کی یہ تمام سزائیں معاف ہو جاتیں۔ تو ہم سمجھتے کہ یہ عقیدہ درست ہے لیکن اس وقت تک کوئی عیسائی عورت ان تکلیفوں سے بچ نہیں سکتی۔ اس لئے کس طرح مان لیا جائے کہ کفارہ ٹھیک ہے اسی طرح مرد کو جو سزا ملی ہے وہ بھی کسی مرد کے کفارہ کو مان لینے سے دور نہیں ہو سکتی پس جب کفارہ کے ذریعہ اس جہان کی سزائیں معاف نہیں ہو سکتیں تو دوسرے جہاں کی کہاں ہو سکیں گی۔ مسیحیت کے نزدیک نجات پانے کی یہی علامتیں ہیں۔ مگر یہ کسی عیسائی کے عمل سے پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے کفارہ باطل ہو گیا اور جب کفارہ باطل ہؤا تو اس کا نتیجہ یعنی نجات بھی باطل ہو گئی۔

جب مسیحؑ جان دینے پر رضامند نہ تھے۔ تو کفارہ کس طرح ہؤا؟

پھر حضرت مسیحؑ کے متعلق بائبل میں آتا ہے کہ۔

"اس وقت اس نے ان سے کہا۔ میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے[۱]۔ (متی باب ۲۶ آیت ۳۸۔۳۹ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)

اس سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیح کو مجبوراً صلیب پر چڑھایا گیا ہے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے تو جسم کو بچ جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ تو صلیب پر لٹکنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر سزا اسی کو دی گئی۔ اب اگر حضرت مسیح کو چارو ناچار صلیب پر لٹکایا جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ گناہوں کے لئے کفارہ ہو گیا تو ہر ایک قوم کہہ سکتی ہے کہ ہمارا فلاں انسان جو قتل کیا گیا تھا وہ ہمارے لئے کفارہ ہؤا تھا۔ اس لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک کسی بات کے متعلق دلائل نہ ہوں اس وقت تک وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

قربانی اور کفارہ میں فرق ہے

پھر مسیحی صاحبان جب کوئی دلیل نہیں دے سکتے تو ہم پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تمہارے ہاں بھی تو قربانی ہے۔ اگر بکرا وغیرہ ذبح کرنے سے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند یسوع مسیحؑ کی قربانی ہمارے گناہوں کو معاف نہیں کرا سکتی۔ لیکن یہ اعتراض کرتے وقت وہ قربانی اور حضرت مسیح کے صلیب پر دیئے جانے کے فرق کو مدنظر نہیں رکھتے۔ ہم اگر کسی جانور کی قربانی کرتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ اس نے ہمارے گناہ اٹھا لئے ہیں۔ اور ان گناہوں کی سزا میں اسے ذبح کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے مال کا کچھ حصہ اس طریق سے خدا تعالیٰ کی رضاء کے لئے الگ کر کے خدا تعالیٰ سے ہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ میں اس بات کو اور واضح کر دیتا ہوں۔ جو چیز قربانی دی جاتی ہے وہ ہمارا مال ہوتا ہے۔ دوسرے ہم اسے خدا تعالیٰ کے لئے اپنے سے جدا کرتے ہیں۔ تیسرے خدا تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے اس فعل کی وجہ سے جو اس کی رضامندی کے لئے کیا گیا ہے ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔ مگر یسوع مسیح کے مصلوب ہونے میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔ (۱) نہ تو وہ ان لوگوں کا مال ہے جو اس کی قربانی پر اپنے گناہوں کا معاف ہونا سمجھے بیٹھے ہیں۔ (۲) نہ وہ اس کو قربانی کرنے والے

[۱] تاہم جیسا میں چاہتا ہوں۔ ویسا نہیں۔ بلکہ جیسا تُو چاہتا ہے۔ ویسا ہی ہو۔"

ہیں۔ قربانی کا فائدہ تو اسی کو ہوتا ہے جو کرتا ہے نہ کسی اور کو۔ یسوع مسیح کو قربانی کرنے والے تو یہود ہیں۔ ان کی نسبت تو کہا جاتا ہے کہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔ اور عیسائی صاحبان کہتے ہیں کہ ان کی قربانی کی وجہ سے ہم نجات پا جائیں گے۔

یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ عیسائیوں کا اس پر کوئی حق نہیں۔ یہودی اس کو صلیب پر چڑھانے والے ہیں نہ کہ عیسائی اس لئے انہیں کو اس قربانی کا فائدہ ہونا چاہئے لیکن عیسائی صاحبان بالکل الٹی بات کہتے ہیں کہ ان کی موت پر ایمان لانے سے ہم نجات پا جائیں گے پس جو نجات کا طریق مسیحی صاحبان پیش کرتے ہیں وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

شریعت رحمت ہے نہ کہ لعنت

ہاں اسلام نے جو طریق بتایا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ میں نے بتایا ہے اسلام نے شریعت کے احکام اس لئے بیان کئے ہیں تا انسان ان پر چل کر آرام پائے اور مشکلات سے بچ جائے اور یہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ریل والوں نے بنا دیا ہے کہ جو کوئی کسی سٹیشن پر وقت مقررہ پر پہنچ کر جہاں کا ٹکٹ لے گا۔ گاڑی پر سوار ہو کر وہاں ہی پہنچ جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص روئے اور چلّائے کہ یہ میرے لئے مصیبت ہے کہ میں ریل پر سوار ہو کر فلاں جگہ پہنچ جاؤں گا تو وہ بے وقوف ہے۔ یہی بات شریعت کی ہے شریعت تو تب لعنت ہوتی جبکہ اس میں ایسے احکام ہوتے جو انسان کو دکھ اور تکلیف میں ڈال دیتے۔ مگر اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو انسان کے لئے بجائے نفع کے نقصان کا باعث ہو۔ کیا چوری کرنا بہت عمدہ کام تھا۔ جس سے منع کیا گیا ہے یا زنا کرنا بہت اچھا فعل تھا۔ جس سے روکا گیا ہے۔ یا جھوٹ بولنا بہت اچھی بات تھی جس سے باز رکھا گیا ہے۔ ہرگز نہیں یہی حال تمام احکام کا ہے شریعت تو ایک ہدایت نامہ اور گائڈ بک ہے۔ جن باتوں سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ خود ہی نہ بتا دیتا تو مدتوں کے تجربہ اور نقصان اٹھانے کے بعد لوگ اس نتیجہ پر پہنچتے کہ یہ باتیں بری ہیں۔ انہیں نہیں کرنا چاہئے مگر خدا تعالیٰ نے انسانوں پر انعام کر کے خود بتا دیا۔ افسوس! کہ عیسائی صاحبان نے خدا کے اس انعام کو لعنت قرار دے دیا مگر خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کر کے شریعت کے قوانین اور احکام بطور گُر کے بتا دیئے ہیں۔ چونکہ انسان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہر ایک بات کے متعلق خود نیک نتیجہ نکال لے۔ اس لئے خود خدا نے بتا دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان بہت دکھ اور نقصان اٹھاتے اور وہ بعض ایسی باتوں کو کر بیٹھتے جن سے انہیں دکھ اور تکلیف کے علاوہ نقصان

بھی پہنچتا اور بعض ایسی باتوں کو کرتے ہی نہ جو ان کے لئے مفید اور فائدہ مند ہوتیں۔

اسلام خدا کا عرفان کامل بخشتا اور اس طرح انسان کو گناہوں سے نجات دلاتا اور مفلح بناتا ہے۔

اسلام نے نہ صرف ہر ایک مفید اور نقصان رساں بات کو بیان کر دیا ہے بلکہ اچھی باتوں پر عمل کرنے اور بری باتوں سے بچنے کا طریق بھی بتا دیا ہے کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی انسان کو ایک چیز کے مضرات اور نقصان بتا دینے اس بات کے لئے کافی نہیں ہوتے کہ وہ اس کو استعمال کرنے سے رک بھی جائے کیونکہ جب تک وہ اس فعل کو کر نہیں لیتا۔ اس وقت تک اس کی نگاہ میں اس کے نقصانات پوشیدہ ہوتے ہیں اور ایسی حالت میں اسے باز رکھنے کی ایک اور طاقت کی بھی ضرورت ہے۔ دیکھو ایک چھوٹا بچہ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے اور اس کا ہاتھ جل جاتا ہے لیکن اگر اس کا باپ یا ماں سامنے ہو تو آگ میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ آگ جو تکلیف اسے پہنچاتی ہے وہ اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور اس کی نسبت کافی علم نہیں رکھتا مگر باپ یا ماں کے ہاتھ کو مارنے کے لئے اٹھتا دیکھتا ہے اس لئے باز رہتا ہے۔ تو جو بات پوشیدہ ہو اس سے انسان کو کم خوف ہوتا ہے۔ خواہ اس کی نسبت اسے علم بھی کیوں نہ ہو اور جو ظاہر ہو اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔ دیکھو ایک چور چوری کرتا ہے لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو کہ پولیس مین سامنے کھڑا ہے تو کبھی چوری نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا مذہب ہے جو خدا تعالیٰ کو سامنے دکھا دیتا ہے۔ تو وہی انسان کو گناہوں سے نجات بھی دلا سکتا ہے۔ اسپر چلنے والے انسان کو جب تک کامل معرفت نہیں ہوتی۔ اس وقت تک وہ گناہ کرتا ہے لیکن جوں جوں اس کی معرفت بڑھتی جاتی ہے۔ وہ گناہوں سے بچتا جاتا ہے۔ اور جب وہ معرفت میں کامل ہو جاتا ہے تو گناہوں سے بالکل بچ جاتا ہے۔ ایسا مذہب صرف اسلام ہی ہے۔ اسلام اول خدا تعالیٰ کی ہستی کو دلائل سے ثابت کرتا ہے۔ پھر ہر زمانہ میں اسلام پر چلنے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ایسے نشانات دکھلاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہے۔ تمام انبیاءؑ آکر یہی کرتے رہے ہیں کہ ایسے نشانات دکھلاتے رہے جن سے زندہ خدا کا ثبوت ملتا رہا ہے چونکہ حضرت مسیح کے بعد مسیحیت میں یہ کام کسی سے نہ ہو سکا اور ایسے لوگ پیدا ہونے بند ہو گئے اس لئے کفارہ کا مسئلہ نکالا گیا۔ مگر خدا تعالیٰ کے زندہ دکھانے کا اصل طریق یہی ہے کہ نبی آتے رہیں اور وہ آکر اسی طرح لوگوں کو نجات دلائیں۔

کفارہ کے مسئلہ سے پہلے بھی لوگ نجات پاتے رہے

کیا حضرت موسیٰؑ کے وقت جبکہ کفارہ نہیں تھا۔ نجات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت موسیٰؑ بھی حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان رکھتے تھے اس لئے نجات پا گئے۔ تو میں کہوں گا کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لئے نجات پا گئے۔ اس بات کا ثبوت کہ حضرت موسیٰؑ حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان رکھتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس لئے ان کا کہنا اور میرا کہنا دونوں برابر ہیں مگر عیسائی صاحبان مانتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحٰقؑ وغیرہ انبیاء نجات یافتہ تھے۔ حالانکہ ان کے وقت کوئی کفارہ نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ انکی نجات شریعت کی وجہ سے ہوئی نہ کہ کفارہ سے اور ان کی شریعت کا یہی مقصد تھا کہ زندہ خدا کو پیش کریں۔

اسلام نے وہی طریق نجات بتایا جو کُل نبیوں نے سنایا

اب بھی یہی بات اسلام بتاتا ہے۔ اول۔ دلائل کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ثبوت دیتا ہے اور جب کوئی مان جائے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنا شروع کردے تو خدا کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ خدا کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ آئندہ کی باتیں اسے بتاتا ہے اور وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے اور جب گناہوں سے بچ گیا تو نجات پا گیا اور صرف نجات ہی نہیں بلکہ فلاح پا گیا۔ اسلام یہ طریق گناہوں کے معاف ہونے کا بتلاتا ہے۔

گناہ معاف کرنے سے خدا غیر منصف نہیں ٹھہرتا

عیسائی صاحبان کہتے ہیں۔ جس طرح ایک مجسٹریٹ ملزم کو رہا کرنے سے غیر منصف ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح اگر خدا کسی کے گناہ معاف کردے تو وہ غیر منصف ٹھہرتا ہے لیکن ایک مجسٹریٹ اور خدا میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی ملزم مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس نے اس کا قصور نہیں کیا ہوتا۔ بلکہ گورنمنٹ کا کیا ہوتا ہے اس لئے اسے نہیں چھوڑ سکتا لیکن ہر ایک گناہ جو انسان کرتا ہے۔ وہ خدا کا ہوتا ہے اس لئے وہ معاف کر سکتا ہے۔ پھر یہ بھی غلط بات ہے کہ عدالتیں کسی مجرم کو معاف نہیں کرتیں۔ کئی جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کرنے والوں کو بعض وجوہات سے معاف کردیا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ عدالت نے کچھ ملزموں کو پھانسی کی سزا دی تھی لیکن وائسرائے نے انکی یہ سزا عبور دریائے شور سے بدل دی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہرگز نہیں۔ پھر عدالتیں

اس لئے ملزم کو رہا نہیں کرتیں کہ انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ملزم سچی توبہ کر رہا ہے یا صرف اس سزا سے بچنے کے لئے کرتا ہے۔ اب اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ پھر جاکر جرم شروع کر دے۔ لیکن خدا تعالیٰ تو چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی جانتا ہے جو شخص اس کے سامنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اس کی نسبت وہ خوب جانتا ہے کہ یہ آئندہ گناہوں سے بچے گا یا نہیں؟ اس لئے اگر وہ کسی کو بخشدیتا ہے۔ تو اس پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ پس اسلام یہی تعلیم دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ سچی توبہ کو قبول کرتا ہے۔

دلوں اور کانوں پر مہر کا کیا مطلب

(حضور یہاں تک بیان فرما چکے تو اس عیسائی [۱] صاحب نے سوال کیا کہ قرآن کچھ لوگوں کی نسبت کہتا ہے کہ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے۔ ایسے لوگ کس طرح نجات پا سکتے ہیں۔ حضور نے اس کے متعلق فرمایا کہ) قرآن کریم میں یہ کسی جگہ نہیں آیا کہ کوئی انسان برا پیدا کیا گیا ہے۔ یہ جو دلوں اور کانوں پر مہر کے متعلق آیا ہے۔ یہ اور بات ہے دیکھئے انسان کے ہاتھ میں طاقت ہے کہ کوئی چیز پکڑ لے لیکن ہندوؤں میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھ کو سُکھا دیتے ہیں اور اس میں پکڑنے کی بالکل طاقت نہیں رہتی۔ یہ کس کا قصور ہے سُکھانے والے کا مگر اس کے ہاتھ کو سُکھایا کس نے خدا نے اگر خدا نہ چاہتا تو ہاتھ نہ سوکھتا مگر اس کا قانون ہی یہی ہے کہ جو اس کی نعمت کی بے قدری کرتا ہے اس سے چھین لیتا ہے۔ جو آپ نے کہا ہے یہ ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ [۲] کہ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے در آنحالیکہ برابر ہُوا ڈرانا یا نہ ڈرانا وہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ پس جبکہ وہ توجہ ہی نہیں کرتے تو انکے دلوں اور کانوں پر مہر لگ گئی۔ جن لوگوں کا ذکر پہلے ہے انہیں کے دل اور کانوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مہر لگ گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک انسان میں روحانی طاقتیں رکھی ہوئی ہیں لیکن اگر کوئی ان سے کام نہیں لیتا اور ان کو ضائع کر دیتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی باتوں پر غور نہیں کرتے اور اس کی باتوں کو سنکر بھی عمل نہیں کرتے۔ انکی یہ طاقتیں ماری جاتی ہیں۔ پھر ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہوتا ہے۔ تو ایسے لوگ خود گمراہ ہوتے ہیں نہ یہ کہ ان میں ہدایت پانے کی طاقت ہی نہیں رکھی جاتی۔

---

[۱] الحمدللہ کہ یہ صاحب اس تقریر کے اثر سے آخر احمدی ہو گئے

[۲] البقرہ: ۷،۸